تاریخ اسلام میں ٹیکسوں کا نفاذ اور اصول

پروفیسر:- محمد عبداللہ ملک۔ گورنمنٹ کالج فیصل آباد

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے مختلف ادوار میں لگائے جانے والے محاصل کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزروشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ ضروریات زندگی اور عوام کی فلاح وبہبود اور نظام حکومت کو چلانے کیلئے مصالح مرسلہ کی خاطر مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً زرعی محاصل کس قدر بڑھائے گھٹائے اور اس میں بوقت ضروریات ردوبدل کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں زرعی زمینوں کی پیداوار عشر' فئی اور آخر میں عمان اور بحرین کی اراضی سے خراج بھی ذریعہ آمدن بن گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں زرعی زمینوں کے ذرائع وہی تھے جو رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں تھے۔ 15 ہجری میں بیت المال کا باقاعدہ نظام شروع ہوا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سواد عراق کی مفتوحہ زمینوں کو ریاست کی ملکیت بنا کر ان پر خراج لگایا گیا جو قابل اعتماد اور مستقل ذریعہ آمدن بن گیا۔ اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر زکوۃ بھی لگادی گئی

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانوں میں نظام زرعی محاصل وہی رہا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مروج تھا۔

ان محاصل کے ساتھ نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے دور حکومت میں دفینوں اور معدنیات کا 1/5 حصہ لیا گیا اور سمندر سے حاصل شدہ پیداوار کا بھی 1/5 حصہ لیا جاتا رہا۔ اسی طرح لاوارث ترکے مرتدین اور عقد ذمہ توڑنے والے غیر مسلموں کی جائیداد بھی بحق بیت المال منتقل ہو جاتی تھیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور خلافت میں جنگلات کی پیداوار سے بھی آمدنی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اراضی مملکت کو لگان پر دیا جاتا رہا جس سے مزید آمدن ہونے لگی۔ (ڈاکٹر نور محمد غفاری 'اسلام کا قانون محاصل: ص۵۱)

زمانہ خلافت میں زرعی ٹیکس لگانے سے پہلے دو باتوں کو خصوصی طور پر ملحوظِ خاطر رکھا جاتا تھا۔ پہلی کاشتکاروں کیلئے آسانیاں پیدا کرنا اور دوسری بات پیداوار میں اضافہ کر کے عامۃ الناس کی خوشحالی کی فضا پیدا کرنا۔

بنو امیہ کے دور میں بیت المال کے ذرائع آمدنی وہی رہے جو خلافت راشدہ میں تھے۔ البتہ عوام پر نئے ٹیکس لگانے اور بعض خلفاء کے ذاتی جاگیریں بنانے کے بارے میں شواہد بھی ملتے ہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ انہوں نے یہ جاگیریں عوام سے چھین کر نہیں بنائی تھیں۔ بنو امیہ کے دور میں جزیہ کی مقدار بھی بڑھا دی گئی اور مزید نئے ٹیکس بھی لگائے گئے۔ حجاج بن یوسف کے بھائی نے یمن کی زمینوں پر عشر کے علاوہ ایک اور ٹیکس بھی لگایا تھا۔ اسی طرح عراق کے باشندوں پر نئے ٹیکس عائد کر دیئے گئے۔ (محمد ضیاء الدین ' الدلیس' الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ' مطبوعہ مصر: ص ۳۷۶)

رشید اختر ندوی لکھتے ہیں کہ عباسیوں کے شروع دور میں ان کی آمدنی کے ذرائع صرف سات یعنی خراج' جزیہ' خمس' غیر مسلموں کی تجارت پر محصول' غنائم' زکوٰۃ اور عشر ان کے علاوہ خلیفہ معتصم تک کسی دوسری مد پر نظر نہیں پڑی۔

دورِ انحطاط میں جب کہ عباسی

خلافت کا دامن سمٹ گیا تھا افریقہ' مصر' فارس' خراسان اور ماوراء النہر' یمن اور کئی دوسرے ملک ان کے اقتدار سے بغاوت کر گئے تھے۔ ٹیکس کی کئی اور مدیں متعارف ہوئیں اس لئے کہ آمدنی بہت گھٹ گئی تھی اور یہ کمی نئے طریقوں سے پوری کی گئی۔ ان میں سے دو طریقے درج ذیل ہیں:

ضربۃ الارث

یہ بھی نئے ضرائب میں سے ایک ذریعہ تھا۔ یہ سب سے پہلے معتمد کے زمانہ میں متعارف ہوا۔ اس دور میں رعایا کے جو افراد لاوارث مر جاتے اور اپنے پیچھے بہت سا سامان چھوڑ جاتے تھے۔ اسے مستفید نے اپنے خزانہ میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد معتمد نے اپنے زمانہ میں اس سلسلے میں فقہاء سے استصواب کیا کہ آیا شریعت اسکی اجازت دیتی ہے یا نہیں۔ اس دور کے مشہور فقیہ قاضی یوسف بن یعقوب نے اسے غیر شرعی قرار دیا۔ چنانچہ مستفید نے ضوبۃ الارث کی منسوخی کا حکم جاری کیا۔ یہ محکمہ توڑ کر اس کا روپیہ ذوی الارحام میں بانٹ دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طریق کو کچھ زیادہ دوام نہیں ملا۔ 351ھ میں لاوارث امراء کی وراثت پھر ریاست اپنے خزانہ میں داخل کرنے لگی اس کی ابتداء معزالدولہ نے درعج نامی ایک امیر شخص کے متروکہ تین لاکھ مثقال سونا پر قبضہ کر لینے سے کی۔

2- ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں لے جانے والے معاون پر بھی اسی دور میں محصول عائد کیا گیا ہے۔ نہروں کے رستوں پر بھی اور خشکی کی راہوں پر بھی ایسی چوکیاں بنائی گئیں جہاں سامان تجارت کا محاسبہ کیا جاتا۔ بغداد میں ابن رائق نے 324ھ میں یہ طریق ایجاد کیا۔

جائیداد کی خرید و فروخت' سراؤں اور مکانوں کی آمدنی پر بھی محصول لگایا گیا۔ سرکاری زمینوں پر جو مکانات بنائے جاتے ان سے بھی ریاست کرایہ یا محصول وصول کرتی تھی۔ شرابوں' سبزیوں اور پھلوں پر بھی محصول عائد ہوئے۔ عزالدولہ نے گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کی خرید و فروخت پر سرکاری حق مقرر کیا۔

بغداد اور دوسرے علاقوں میں روئی اور ریشم کی مصنوعات پر بھی ٹیکس لگا۔ یہ کئی بار منسوخ ہوا اور کئی بار لگایا گیا۔ اس کی شرح قیمت دس فیصدی تھی۔ 330ھ میں پہلی بار زیتون پر ضریبہ عائد ہوا۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے غیر معمولی تدبر سے ٹیکس کا نظام نہایت مستحکم کیا۔ (رشید اختر سندری' تہذیب و تمدن اسلامی (حصہ سوم) ادارہ ثقافت اسلامیہ ص ۱۸۹' ۱۹۰)

عباسیوں نے زراعت کی ترقی کو اپنا نصب العین قرار دیا تھا اور زرعی ترقی کے لئے آب رسانی اور دوسری تدابیر اختیار کیں۔ خلیفہ متوکل کے زمانہ میں احمد بن مدبر کو مصر کا خراج افسر مقرر کیا گیا۔ اس نے بہت سے جدید ٹیکس عائد کر دیئے اور نہایت سختی سے انہیں وصول بھی کیا۔ اس نے بلاد مصر کی اراضی کا ٹیکس دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ خوارجی و ہلالی' پہلا ٹیکس غلے' کھجوروں' انگور کی بیلوں اور میوہ جات کے باغات کی پیداوار پر لیا جاتا تھا۔ ہلالی گھاس اور پھلوں وغیرہ کا ٹیکس تھا۔

اس کے بعد فاطمیوں کے دور میں بھی ٹیکس کا دائرہ کار خاص وسیع کر دیا گیا اور مستنصر فاطمی نے بالخصوص اپنے آخری دور یعنی 487ھ میں ٹیکس کی مقدار میں نہ صرف اضافہ کر دیا تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں ان اشیاء پر بھی ٹیکس لگا دیئے گئے جن پر اسلامی فتوحات سے لے کر اس وقت تک کسی فرماں روا کے زمانے میں عائد نہ کئے گئے تھے۔

فاطمیوں کے دور میں 1228 گاؤں اور 834 قصبے اور شہر تھے اور ان سے خراج کی آمدنی تین لاکھ اکسٹھ ہزار دینار تک پہنچ گئی تھی۔ فاطمیوں نے کاشتکاری کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا خصوصا معز الدین اور عزیزالدین کے عہد میں ان کی فلاح و بہبود کے

> **پیداوار پر ٹیکس لگانے سے قبل زمین اور کاشت کاری کی حالت اور پیداواری اخراجات اور محنت پر نظر رکھنا ضروری ہوتا تھا کہ کسی حیثیت سے کاشتکار کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔**

علاوہ غیر معمولی عنایات بھی کی گئیں۔

مملوک سلاطین نے زراعت کی ترقی کی جانب خصوصی توجہ دی اس دور میں دریائے نیل سے کاٹ کر بڑی بڑی نہریں جاری کی گئیں۔ ملک کے گوشے گوشے میں دو قسم کے پل تعمیر کئے گئے پہلی قسم کے شاہی پل تھے جو ملک کے مفاد عامہ سے تعلق رکھتے تھے اور لگان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ ان پر خرچ کیا جاتا تھا۔

دوسری قسم کے پل بلدیہ کہلاتے تھے۔ ان کا مفاد مقامی تھا اور ان کے اخراجات بھی مقامی کاشتکاروں کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔ (ڈاکٹر حسن ابراہیم : النظم الاسلامیہ (اردو ترجمہ علیم اللہ صدیقی) صدیقی پبلی کیشنز لاہور (303-300

زرعی محاصل کے طریقے اور شرح

حضور اکرمؐ کے زمانہ مبارک سے لے کر عباسی خلیفہ مہدی کے دور تک خراج بالمساحۃ یعنی کھیتی باڑی کے رقبہ کی پیائش کر کے مختلف اجناس پر مختلف شرح سے خراج وصول کرنا رائج تھا۔ خلیفہ مہدی نے اس نظام کو بدل کر پیداوار کا ایک معین حصہ 1/3 یا 1/4 خراج مقرر کیا اور مختلف قسم کی زمینوں کے لئے مختلف شرحیں مقرر کیں۔ جب ہارون الرشید بر سر اقتدار آئے تو انہوں نے امام یوسفؒ سے عادلانہ نظام مالیات وضع کرنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے اپنی مشہور "کتاب الخراج" تصنیف کی اور خراج مقاسمہ کی سفارش کی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ اور مصر کے دوسرے صوبوں پر قبضہ کرنے کے بعد پہلے سال باشندوں سے پیداوار کا دو فیصدی وصول کیا۔

اسی طرح معزالدین فاطمی نے اپنے عہد حکومت (341-365ھ) میں یعقوب بن کلس اور علون بن حسن کو ٹیکس کا جدید نظام مرتب کرنے پر مامور کیا تھا۔ ان دونوں نے پیداوار کی مختلف اقسام کا جائزہ لیا اور اس کے بعد نظام ٹیکس کا ایک جدید خاکہ بنایا پھر مستنصر فاطمی نے بھی آخری دور میں ٹیکس میں بھی اضافہ کر دیا اور کئی اشیاء پر نئے ٹیکس بھی لگا دیئے تھے۔ (ڈاکٹر حسن ابراہیم : حوالا بالا : ص ۳۰۳)

مملوک سلطان ناصر کے عہد حکومت میں زمین کی پیداوار پر مختلف لگان تھا۔ سمندر کے محاذ کے قریب والی زمین سے ٹیکس پیداوار کی شکل میں لیا جاتا تھا۔ یہ پیداوار گندم، جو، تل، لوبیا، مسور اور پیاز کی تھی۔ ان پر عموماً ٹیکس ایک فدان پر دو اردب سے تین اردب تک مقرر تھا۔ ساحلی علاقہ کا ٹیکس عموماً نقدی کی صورت میں لیا جاتا تھا اور 790ھ میں اس کی مقدار دس روپے فی فدان غیر معمولی زرخیز زمین سے وصول کیا جاتا تھا اور ساڑھے سات روپے فی فدان متوسط زرخیز علاقے سے لیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس میں پیداوار کی قلت اور زیادتی کی بناء پر کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ الغرض زمانہ خلافت میں زرعی ٹیکس لگانے سے پہلے دو باتوں کو خصوصی طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ پہلی کاشتکاروں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا اور دوسری بات پیداوار میں اضافہ کر کے عامۃ الناس کی خوشحالی کی فضا پیدا کرنا۔

اس لئے پیداوار پر ٹیکس لگانے سے قبل زمین اور کاشت کاری کی حالت اور پیداواری اخراجات اور محنت پر نظر رکھنا ضروری ہوتا تھا کہ کسی حیثیت سے کاشتکار کی حق تلفی نہ ہونے پائے اور اس کی برداشت و استطاعت سے زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے تاکہ ظلم و زیادتی کا شائبہ نہ پایا جائے۔

حضرت عمرؓ نے سواد عراق پر جو خراج مقرر کیا تھا وہ عراق کے دوسرے اطراف سے مختلف تھا۔ اسی طرح شام کے خراج کی مقدار عراق سے مختلف تھی۔ اسی طرح بعض جگہ زمین کی صلاحیت و لیاقت اور قوت کے لحاظ سے شرح لگان میں تفاوت تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست کو حالات اور مقامات کے لحاظ سے ٹیکس بڑھانے اور گھٹانے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ (مفتی محمد شفیع: اسلام کا نظام اراضی: ص ۷۸)

جس طرح پاکستان کے مختلف

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ اور مصر کے دوسرے صوبوں پر قبضہ کرنے کے بعد پہلے سال باشندوں سے پیداوار کا دو فیصد وصول کیا۔

صوبوں' ڈویژنوں' اضلاع اور تحصیل کی سطح سے بھی کم سطح تک زمین کی پیداواری صلاحیت کے مطابق پروڈیوس انڈکس یونٹ کے لحاظ سے ٹیکس لیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ صوبہ پنجاب کے قابل کاشت قطعات اراضی پر 50 ایکڑ اور بلوچستان میں 400 ایکڑ زمین کی بنیادی چھوٹ دی گئی ہے۔ یعنی بلوچستان کی زمینوں کی لیاقت ہمارے ہاں اچھی زمینوں کی صلاحیت سے آٹھ گنا کم ہے اور اسی لئے اسی تفاوت کے پیش نظر بنیادی چھوٹ میں بھی تفاوت ہے۔

اسلام میں ٹیکس کے اصول

اسلامی نظام محاصل کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے نقطہ نظر سے اسلامی ریاست کا مسلمان شہری بعض ٹیکسوں کو محض اپنا مذہبی فریضہ اور عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلام ٹیکسوں کے ذریعے معاشرتی و معاشی دونوں اغراض کو اس طرح پورا کرتا ہے کہ ریاست کی آمدنی بھی ہوتی رہی اور دولت بھی چند ہاتھوں میں جمع نہ رہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كئى لا يكون دولة بين الاغنيآء منكم.

ترجمہ:- تاکہ دولت تمہارے مالدار لوگوں ہی میں گردش نہ کرتی رہے۔ (سورۃ الحشر: ۷)

مزید فرمایا:

و يسئلون ما ذا ينفقون قل العفو.

ترجمہ:- اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیں جو بھی زائد از ضرورت ہو۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۱۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کے حصول کا مقصد سمجھاتے ہوئے فرمایا:

توء خذ من اغنياء هم فترد علی فقرآء هم۔ (البخاری الجامع الصحیح / کتاب الزکوۃ: حدیث نمبر 1)

ترجمہ :- زکوۃ ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی۔

اس کے علاوہ اصول مساوات کو بھی مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر مساوات کے اصول کو برقرار رکھا جائے تو ریاست کے تمام شہریوں کی دلی رضامندی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس چیز کا حکم ان الفاظ میں دیا۔

وان لا يأخذ منهم الا فضلهم عن رضاهم۔ (البخاری الجامع الصحیح / فضائل عثمان رضی اللہ عنہ)

ترجمہ:- ان کی رضامندی سے ان سے اتنا ہی مال لیا جائے جو ان کی ضروریات سے زائد ہو۔

اسی طرح ٹیکس دہندہ کو اسی ریاستی واخروی مقاصد یقین بھی ہونا چاہیے جن مقاصد کیلئے یہ محصول لگائے جا رہے ہوں۔ مثلاً زکوۃ' خراج' جزیہ اور عشر وغیرہ۔ ٹیکس دہندہ کو ٹیکس کی ادائیگی میں سہولیات کی فراہمی بھی بنیادی اصول ہے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عثمان بن حنیفؓ کو خراج وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ واپسی پر ان سے فرمایا: شاید تم نے ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ وصول کیا ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ نے کہا جو ان سے وصول کیا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو ان کے پاس چھوڑا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں ان ذمیوں کے پاس دوگنا حصہ چھوڑ آیا ہوں۔ (ابو یوسف / کتاب الخراج ' المطبعۃ السلفیہ' قاہرہ ۱۳۸۲ھ' ص ۴۷)

اصول کفایت بھی اپنایا جاتا ہے۔

اس اصول کے تحت یہ ضروری ہے کہ ٹیکس دہندہ پر اس طرح ٹیکس لگایا جائے کہ اس سے حاصل شدہ رقم سرکاری اخراجات کی کفایت کرے۔ ٹیکس کی وصولی کے اخراجات بھی اتنے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں کہ حاصل شدہ رقم کا زیادہ حصہ ان پر ہی خرچ ہو جائے۔ اکثر اسی طرح اخراجات کو بھی کنٹرول کرنا ضروری ہے تاکہ ناجائز اخراجات کا بوجھ عوام پر نہ پڑے۔

ڈاکٹر نور محمد غفاری نے "اسلام کے نظام مالیات میں ٹیکس کا کردار" کے عنوان میں لکھا ہے:

1- اکثر ٹیکس بلاواسطہ ہوتے ہیں۔

2- شہریوں کی جائز معاشی کمائیوں پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا البتہ بے جا مصرف کو ٹیکسوں کے ذریعے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

3- آمدنی پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں بلکہ زائد اور جمع شدہ دولت پر ہے جو نصاب کے مطابق ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے جیسے زکوۃ وغیرہ۔

4- پیداوار کے ذرائع اور آلات پیداوار پر کوئی مقررہ ٹیکس نہیں لہٰذا تمام مشینیں' کارخانوں کی عمارات' جہاز اور دیگر ذرائع نقل و حمل پر مقررہ ٹیکس نہیں۔

5- درآمدات و برآمدات پر اسلام نے کوئی ٹیکس نہیں لگایا البتہ جب دیگر ممالک مسلمان تاجروں پر ٹیکس لگائیں تو اسلامی ریاست بھی ایسا کرنے کی مجاز ہے۔ اسلامی ریاست مسلمان تاجروں کے اموال تجارت سے عشور (یعنی

بقیہ صفحہ نمبر ۱۰